بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ان دنوں جب کہ قادیانی مسئلہ نے مسلمانوں کے اندر شدید اضطراب پیدا کر رکھا ہے اور وہ اس کے حل کے لیے سخت بیتاب نظر آتے ہیں بعض غیر ملکی جو ملت اسلامیہ کے مزاج، اس کے عناصر ترکیبی، اس کے مذہبی احساسات سے ناواقف ہیں، مگر دنیائے اسلام کے مسائل سے کسی قدر دلچسپی رکھتے ہیں، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے مختلف لوگوں کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی گفتگو سننے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قادیانی پراپیگنڈے سے خاصے متاثر ہیں لیکن اس تاثر کی وجہ یہ نہیں کہ قادیانیوں کے دلائل وزنی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے اندر رہ کر مذہب اور قومیت کے بارے میں ان کا جو زاویۂ نگاہ بن چکا ہے اس سے وہ اسلام کے اصل موقف کو صحیح طور پر جان ہی نہیں سکتے۔ انہیں یہ بات تو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ان کے وطن کا کوئی دشمن اس کی سرحدوں پر حملہ کرے تو اسے پوری قوت سے نیست و نابود کر دیا جائے یا ان کے اپنے معاشرے کا کوئی فرد یا گروہ اُن کے ملک کے خلاف کوئی سازش کرے تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے لیکن یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی قوم کسی مذہبی عقیدے پر چوٹ پڑنے سے تلملا اُٹھے اور اس کے تحفظ اور دفاع کے لیے اپنی ملکی سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ بیتاب دکھائی دے۔ چنانچہ جب بھی کسی غیر ملکی سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا ہے اُسے قریب قریب اسی قسم کی الجھن میں گرفتار پایا ہے۔ وہ اپنی اس ذہنی اُلجھن کے اظہار کے لیے خواہ کوئی انداز بیان اختیار کرے مگر اس بات پر اسے سخت حیرت ہوتی ہے کہ عقیدے کا اختلاف لوگوں کے مابین وجہ افتراق بن جائے اور اس اختلاف کی وجہ سے کوئی قوم اپنی ہی نسل اور اپنے ہی وطن سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے جسد سے الگ کرنے پر نہ صرف مُصر ہو بلکہ اسی میں اپنی عافیت اور اپنے دین اور ایمان کی عافیت سمجھتی ہو۔

اہل مغرب کا یہ استعجاب کوئی نیا نہیں۔ دنیا کی وہ قومیں جن کی اجتماعیت کا خمیر، رنگ، وطن، نسل اور زبان

کے امتیازات سے اُٹھایا گیا ہے ان کے لیے عقیدہ کی اساس پر کسی اجتماعیت کا وجود ہمیشہ ناقابلِ فہم رہا ہے آج سے چودہ سو برس پیشتر ابوجہل بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ فکر اور طرزِ عمل پر حیران اور ششدر تھا کہ بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی اور بصرہ سے تعلق رکھنے والے حسنؓ تو حضور کی اُمت کے عظیم افراد شمار کیے جائیں مگر ان کے مقابلے میں مکہ کی خاک سے جنم لینے والا قریش کا سردار اور حضور سرورِ دو عالم کی برادری کا فرد کافر اور زندیق کہلائے۔ یہ بات جس طرح ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے لیے موجبِ حیرت تھی آج بھی اسلام کے تصورِ اجتماعیت سے ناواقفیت رکھنے والوں کے لیے حیرانی کا باعث ہے۔ یہ اسی عدم واقفیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے حصار میں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نقب لگا کر اُمتِ مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی رہتی ہیں اور جب ملتِ اسلامیہ ان کی ان ریشہ دوانیوں پر مضطرب ہو کر انہیں اِن سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ اپنی مظلومیت کی دہائی دینا شروع کر دیتی ہیں اور یہ واویلا خاص طور پر ان حلقوں میں کیا جاتا ہے جو کسی مذہب کے اندر نقب زنی اور اس کے طریق کار اور کسی قوم کے لیے اس کے تباہ کن نتائج کا قطعاً کوئی شعور نہیں رکھتے۔ وہ زندگی کے کسی دوسرے معاملے میں خواہ رواداری کے بنیادی تصور سے بھی آشنا نہ ہوں مگر مذہب کے معاملے میں رواداری کے پرجوش مبلغ اور داعی ہوتے ہیں اور اسے انسانیت پر ایک صریح ظلم اور زیادتی خیال کرتے ہیں کہ عقیدے کا اختلاف کسی وجہ سے بھی انسانوں کے مابین وجہِ نزاع بن جائے۔

قادیانی اور اسی طرح کے بعض دوسرے باطل گروہ چونکہ اہلِ یورپ کی اس نفسیاتی کمزوری کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے مسلمان جب بھی اپنے ملی تحفظ کے لیے تگ و دو شروع کرتے ہیں تو یہ گروہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے بجائے اسلام دشمن طاقتوں کی پناہ اور سہارا ڈھونڈنے لگتے ہیں، اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان بے بسوں اور مسکینوں پر مذہب کے معاملے میں محض جزوی اختلاف کی بنا پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اس لیے انسانیت کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ ان مذہبی دیوانوں کے خلاف جتھہ بندی کر کے انہیں تباہ کرنے کی فکر کریں کیونکہ اس مرحلہ پر اگر انہیں نہ روکا گیا تو پھر رواداری اور آزادی کا دنیا میں نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ قادیانیوں نے اس وقت اپنی صفائی میں جو زبردست مہم شروع کر رکھی ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ساری مہم

میں ان حلقوں کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلافات کی اصل نوعیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ قادیانیوں کا روئے سخن یا تو مسلم معاشرے کے ان بے دین عناصر کی طرف ہوتا ہے جو اسلام کے پیچھے پہلے ہی سے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور اسے مٹا دینے کا ناپاک عزم رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس باطل گروہ کی خود اس سے بڑھ کر وکالت کرتے ہیں۔ انھیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے جب انسان اور انسان کے مابین امتیازات ختم ہونے لگیں تو پھر دینی حمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور قوم مذہبی اعتبار سے راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے جسے باطل کی آندھیاں جس طرف چاہتی ہیں بڑی آسانی کے ساتھ اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے یہ اسلام دشمن طاقتیں برسوں سے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔

مسلم ممالک اور مسلم معاشرے سے باہر نکل کر یہ لوگ کفر کے ہر دروازے پر کھڑے ہو کر بڑے جذباتی انداز میں اپنی مظلومیت اور بے بسی کی جھوٹی داستانیں سنانے اور مسلمانوں کے خلاف کفار کے جذبات کو بھڑکانے کی کوششیں کر رہے ہیں اور دانستہ طور پر اُن کے اس باطل خیال کو تقویت پہنچانے میں سرگرم عمل ہیں کہ دنیا ملت اسلامیہ کے نام سے جس قوم کو جانتی ہے وہ انسانوں کی کوئی تنظیم نہیں بلکہ انسان نما آدم خوروں کی ایک بھیڑ ہے جو چند لاکھ بے گناہ انسانوں پر مذہبی دیوانگی کے عالم میں ناحق ظلم و ستم ڈھا رہی ہے۔ قادیانی اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف جو مذموم کارروائیاں کر رہے ہیں چونکہ دنیا اُن کے پس منظر اور اُن کی حقیقی نوعیت سے ناواقف ہے اس لیے بسا اوقات بھلے اور شریف لوگ بھی ان کے فریب میں آجاتے ہیں۔

اہلِ اسلام اور قادیانیوں کے مابین اختلاف اس قدر واضح اور وسیع ہے جس قدر اسلام اور کفر کے درمیان ممکن ہو سکتا ہے۔ سخت دھوکے میں مبتلا ہیں وہ لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان ماننے والوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر تسلیم کرنے والوں کے مابین چند ظاہری اعمال کے اشتراک کی وجہ سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس اختلاف کی نوعیت فروعی ہے جیسے "ملاؤں" کی جہالت اور تنگ نظری نے اسے اصولی اور بنیادی بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ اس بنا پر جو انسان بھی اس کے ساتھ عقیدت و محبت کا رشتہ استوار کرتا ہے یا کسی

درجہ میں بھی اس کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوتا ہے وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے۔ نبوت کا دعویٰ کوئی شاعرانہ تعلی یا مجذوب کی بڑ نہیں جسے آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکتا ہو۔ یہ حیات انسانی کا نہایت ہی اہم فیصلہ ہے جس پر کسی فرد کی دنیوی فلاح اور اُخری نجات کا دارومدار ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھتا ہے تو وہ پوری نوع بشری کو سخت آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اگر نبوت کا دعویدار اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان باندھتا ہے اور اس وجہ سے وہ خود بھی اور اس کے پیروکار بھی جہنم کی سزا کے مستوجب ٹھیرتے ہیں اور اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو پھر اس کی تکذیب کرنے والوں کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے۔ اِس دعوائے نبوت کی تصدیق و تکذیب پر اقوام و ملل تشکیل پاتی ہیں اور کفر اور اسلام کے مابین واضح امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ دعوےٰ کسی فرد اور معاشرے کی زندگی میں کسی قدر غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کا مرتبہ و مقام اُس موقف کی بنیاد پر متعین ہوتا ہے جو وہ نبوت کا دعوےٰ کرنے والوں کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ نبوت کے جھوٹے دعویدار کو نبی برحق مان لیتا ہے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اگر وہ سچے نبی کے دعوائے نبوت کو جھٹلا دیتا ہے تو پھر وہ جہنم کے دائمی عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اگر آپ نبوت کے بلند مرتبہ و مقام پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفر و اسلام کے مابین تفریق، اسلامی عقائد اور تعلیمات کا صحیح شعور اور اللہ کی معرفت اور خود انسان کو اپنی ذات کی پہچان صرف سچے نبی کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر نبوت کا واسطہ درمیان سے ختم ہو جائے یا اگر انسان سچی نبوت کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر حق و صداقت کے راستے پر چلنے کی کوشش کرے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر صادق پر ایمان اور خلوص اور دیانتداری کے ساتھ اس کی پیروی اُس شخص کی دنیوی اور اخروی بھلائی کی واحد ضمانت ہے اور جھوٹے نبی پر ایمان تو کجا کسی اعتبار سے اس کی پذیرائی بھی سراسر کفر اور الحاد ہے۔ اس بنا پر سچے نبی کے پیرو اور جھوٹے نبی کے حلقہ بگوش ایک اُمت کی حیثیت سے کبھی زندہ نہیں رہ سکتے خواہ اُن کے ظاہری اعمال میں کسی حد تک مماثلت بھی پائی جاتی ہو۔ جس طرح تاریکی اور روشنی یکجا نہیں ہوسکتیں بالکل اسی طرح نبوت باطلہ سے وابستہ ہونے والے اور پیغمبر صادق و مصدوق کے غلاموں کے مابین کوئی اشتراک ممکن نہیں ہوسکتا کیونکہ جب بنیاد ہی ایک دوسرے سے الگ اور جداگانہ ہو تو دوسرے معاملات میں اختلاف بالکل ناگزیر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص دل اور

زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ فلاں مقدس ذات کو نبی برحق سمجھکر اس پر ایمان لاتا ہے تو اس کی ذمہ داری صرف اس اقرار پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس اقرار کے ساتھ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ عظیم المرتبت انسان جسے اُس نے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ خدا کا پیغمبر بھی تسلیم کیا ہے وہی اس کی عقیدت اور محبت کا سب سے بڑا مرکز و محور، اس کے لیے سب سے بڑا ہادی اور رہنما اور فکر و عمل کے لحاظ سے سب سے ارفع و اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کا قول حق و باطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی کی دکھائی ہوئی راہ ہدایت ہی انسان کو دنیا و آخرت میں فائز المرام کرتی ہے۔ الغرض انسان کو اس زندگی میں جو کچھ بھی مطلوب ہوتا ہے خواہ وہ عقیدے کی صورت میں ہو یا افکار و اعمال کی صورت میں وہ اس کی صحت کے جانچنے کے لیے صرف اُسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جس پر وہ خدا کے رسول کی حیثیت سے ایمان لاتا ہے۔

ایمان بالرسالت کا ایک دوسرا پہلو بھی قابلِ غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کے رشد و ہدایت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لاتعداد انبیاء مبعوث فرمائے اور حضور پر تکمیل دین اور سلسلہ نبوت ختم کرکے یہ نازک ذمہ داری اُمت مسلمہ کو سونپ دی اس لیے اس حکیم اور علیم و خبیر ذات نے اس بات کا بھی خاص طور پر التزام کیا کہ حضور سرور دو عالم کے بعد کوئی شخص اگر مہبط وحی ہونے کا دعویدار ہو تو اُسے کاذب سمجھ لیا جائے کیونکہ اس کی اس حیثیت کو تسلیم کر لینے کے بعد نہ تو اسلام مکمل دین رہتا ہے نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی قرار پا سکتے ہیں اور نہ اُمت مسلمہ آخری اُمت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کی نبوت کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ حضورؐ کے لائے ہوئے دین کی عملاً وہ حیثیت رہ جائے جو سابقہ ادیان کی تھی اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ پر فائز ہو جائیں جو حضورؐ کے مقابلے میں سابق انبیاء کا ہے اور امت مسلمہ اس مقام کی حامل مانی جائے جو پہلے انبیاء کی امم کا تھا۔ انسان چونکہ حق و باطل کا واحد معیار صرف ایک ذات کو قرار دے سکتا ہے اور پیروی کے لیے کامل نمونہ صرف ایک شخصیت کو ہی بنا سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان سے ایمان بالرسالت کے تحت جو کچھ تقاضا کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ حضورؐ سے پہلے انبیاء پر سچے دل سے ایمان لائے کیونکہ اس ایمان ہی سے ایک انسان اس حقیقت کا پورے وثوق اور شعور سے اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے اپنے خاص بندوں کو منتخب فرما کر دنیا میں مبعوث فرمایا ہے لیکن فکر و عمل میں پیروی صرف اس مقدس ذات کی کی جائے جسے نبی آخر الزمان کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اب اگر

حضورؐ کے بعد کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تو وہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے دعوے کی صداقت کو تسلیم کرنے اور ان کی عظمت کا اقرار کرنے کے باوجود لوگوں سے بہرحال اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اب نئے نبی مبعوث ہونے تک حق و باطل کا واحد معیار صرف اُسے ہی تسلیم کیا جائے اور زندگی کے ہر میدان میں صرف اسی کی پیروی کی جائے۔

یہاں ہم قادیانیوں کی پھیلائی ہوئی ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ سادہ لوح عوام کو بہکانے کے لیے بڑے معصومانہ انداز میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو زندگی کے ہر معاملے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں چنانچہ ہمارے نماز پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو عام مسلمانوں کا ہے، روزے بھی ہم اسی انداز سے رکھتے ہیں جس طرح کہ دوسرے مسلمان رکھتے ہیں اس کے باوجود تم ہم پر یہ الزام دھرتے ہو کہ ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے نکل کر مرزا صاحب کی اُمت میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ محض ابلہ فریبی اور دھوکہ بازی ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے پیرو اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبوت کا ہر دعویدار خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا پہلے انبیاء کی ساری تعلیمات کو کالعدم قرار نہیں دے دیتا بلکہ ان میں سے بعض کو اپنی اصلی شکل و صورت میں قائم رہنے دیتا ہے۔ بعض میں مناسب تغیر و تبدل کر کے انھیں اپنی امت کے سامنے پیش کرتا ہے اور بعض کو یکسر منسوخ کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ دیکھنا مقصود ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے حضور سرور دو عالم کو کس حد تک اپنا ہادی اور مطاع سمجھتے ہیں اور حضورؐ سرور دو عالم کے مقابلے میں وہ مرزا صاحب کو کس مرتبہ و مقام پر فائز خیال کرتے ہیں تو انہیں ان اعمال کو دیکھنے کی ضرورت نہیں جن پر مرزا صاحب نے صاد کیا ہے بلکہ ان احکام کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جنہیں مرزا صاحب نے منسوخ کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ مرزا صاحب اور اُن کے پیرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اُن کے مقام کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ مثال کے طور پر جہاد کے معاملہ ہی میں مرزا صاحب کا موقف اور اُن کے پیروؤں کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالسیف کی عظمت اور دنیا و آخرت میں اس کی غیر معمولی اہمیت کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے اسے مسلم اور غیر مسلم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں مگر مرزا صاحب نے اسے یکسر منسوخ قرار دیا ہے اور پھر اس کی تنسیخ کا فیصلہ جن الفاظ میں کیا ہے انہیں دیکھ کر اس امر کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص خواہ زبان سے کچھ ہی کہتا رہے مگر

زعم باطل میں اپنی ذات کو (معاذ اللہ) حضورؐ کی ذات اقدس سے بلند تر سمجھتا ہے اور اپنے ذہن میں یہ فاسد خیال پوری طرح بٹھائے ہوئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو منسوخ کرنے کا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ و قتال
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ و جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی ص ۴۹

اس ضمن میں نثر کے ایک اقتباس پر بھی غور فرمائیں اور دیکھیں اس کا تحریر کرنے والا اپنے آپ کو کس بلند مقام پر فائز سمجھتے ہوئے یہ بات کر رہا ہے:

"سو آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھا کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔" (اشتہار چند منارۃ المسیح ب، ت ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

جہاد کے موقوف ہونے کو مرزا صاحب اپنی 'بعثت' کا مقصد اعظم قرار دیتے ہیں تریاق القلوب کے ضمیمہ اشتہار واجب الاظہار میں لکھتے ہیں،

"غرض میں اس لیے ظاہر نہیں ہوا کہ جنگ و جدال کا میدان کروں بلکہ اس لیے ظاہر ہوا ہوں کہ پہلے مسیح کی طرح صلح و آشتی کے دروازے کھول دوں۔ اگر صلح کاری کی بنیاد درمیان نہ ہو تو پھر ہمارا سارا سلسلہ فضول ہے اور اس پر ایمان لانا بھی فضول ہے۔

تریاق القلوب ص ۳۳۵

(بقیہ اشارات بر صفحہ ۴۲)

(بقیہ اشارات)

مرزا صاحب اپنے آپ کو جس عظیم مرتبے کا حامل پیغمبر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات کو پہلے انبیاء کے مقابلے میں جس قدر جلیل القدر خیال کرتے ہوئے نوع بشری سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور تنہا اپنی ذات کے ساتھ وابستگی کو ایمان کا لازمہ قرار دیتے ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے کیا جا سکتا ہے:

"ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا، مبارک وہ جس نے مجھ کو پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔"

کشتی نوح ص۵۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی

یہ مرزا صاحب کے اسی طرز فکر کا نتیجہ ہے کہ اُن کے معتقدین ان کی ذات کو علم و عرفان کا ایک ایسا سرمدی سرچشمہ خیال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی روحانی پیاس بجھانے کے لیے جاری کیا ہے اور جس سے سیراب ہوئے بغیر کوئی شخص بھی فلاح نہیں پا سکتا خواہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح مطیع و فرمانبردار ہی ہو۔

"اے مسلمان کہلانے والو! اگر تم واقعی اسلام کا بول بالا چاہتے ہو اور باقی دنیا کو اپنی طرف بلاتے ہو تو پہلے خود سچے اسلام کی طرف آجاؤ جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) میں ہو کر ملتا ہے۔ اسی کے طفیل آج ہر و تقویٰ کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی کی پیروی سے انسان فلاح و نجات کی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے یہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ العالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ ثابت کر گیا کہ واقعی اس کی دعوت جمیع ممالک و ملل عالم کے لیے تھی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم

اخبار الفضل قادیان ص۴۱

مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

انسان تڑپ اُٹھتا ہے وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ کس طرح ایک بگڑا ہوا انسان جو مغربی سامراج کی پیداوار تھا وہ مکروہ فریب اور لاف و گزاف سے کام لیتے ہوئے زندگی کے ہر معاملے میں اس ذات مقدس کی ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے جو خدا کے بعد اس کائنات میں سب سے بزرگ و برتر ہے۔ مرزا صاحب کے دعاوی

کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ ہر منزل پر صرف اس ایک بات کے لیے کوشاں رہے کہ کسی طرح وہ اپنی ذات کے لیے لوگوں کے اندر وہ جذباتِ محبت وعقیدت پیدا کر سکیں جو مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے وہ ماذی ومطاع مان لیے جائیں اور اُن کی زندگی لوگوں کے لیے اسوہ حسنہ کی شمع فروزاں کر سکے۔ مرزا صاحب نے عوام کے اندر جذبات کی یہ تبدیلی پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے اقدام کیے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان جب بھی حضور سرور کائنات کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے تو وہ ان کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ پھر حضور کے ساتھ سچی محبت اور وابستگی کے صدقے میں وہ اُن ساری خوش نصیب ہستیوں کے لیے مختلف انداز میں دُعاگو ہوتا ہے جنہوں نے ہمارے آقا و مولا کو ایمان کی حالت میں دیکھا یا اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چنانچہ جب بھی حضورؐ کے صحابہ کا نام مسلمانوں کی زبان پر آتا ہے تو ان مقدس ناموں کے ساتھ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دعائیہ کلمہ بھی ان کی زبانوں سے ادا ہوتا ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات کا ذکر خیر کرتے ہوئے امہات المومنین اور حضورؐ کے اہل وعیال کا تذکرہ کرتے ہوئے اہل بیت کے القابات استعمال کیے جاتے ہیں۔ حضورؐ پر درود وسلام اور ان کے وابستگان کے لیے مختلف قسم کے دعائیہ کلمات زبان سے ادا کرنے اور معزز القابات سے انہیں یاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضورؐ سے تعلق خاطر رکھنے کی بنا پر دوسرے افراد کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ جاگزیں رہے اور اسی محبت کو وہ اپنی زندگی کی بیش قیمت متاع سمجھتے ہوئے سینے میں پالتے رہیں۔ مرزا صاحب نے حضور کے ساتھ مسلمانوں کی اس جذباتی وابستگی کو کم کرنے کے لیے یہ سازش کی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے متعلقین اور اہل خانہ کے لیے ان دعائیہ کلمات اور ان معزز القابات کو رواج دیا ہے جو حضورؐ کی ذات اور اُن کے وابستگان کے لیے مخصوص ہیں۔ آپ کسی قادیانی سے بات کریں تو وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام زبان پر آتے ہی سلام و درود بھیجنے لگے گا اور اس کے دوست کے لیے رضی اللہ عنہ کا دعائیہ کلمہ زبان سے ادا کرے گا۔ اسی طرح اس کی بیویاں ازواج مطہرات اور اس کے خاندان والے اہل بیت کے القابات سے یاد کیے جائیں گے۔

مرزا صاحب اور ان کے متوسلین نے صرف افراد کے معاملے میں عوام کے جذبات، محبت وعقیدت کا رخ

موڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلام کے مقامات مقدسہ کی جگہ بعض نئے نئے مقامات کو خلعت تقدس پہنانے کی سعی کی ہے جن کا تعلق کسی طرح بھی ان کی ذات سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قادیان اور ربوہ کو اس حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جس حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے مکہ اور مدینہ کو پیش کیا ہے بلکہ بعض مقامات پر تو قادیانی مذہب کے ان دو مراکز کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اب مکہ و مدینے کی جگہ قادیانیت کے دو شہر ہی انوار الٰہی کے مرکز ہیں۔ اسی بنا پر ایک قادیانی بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے،

"جیسے احمدیت کے بغیر پہلا یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے وہ خشک اسلام ہے اسی طرح اس حج ظلی کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک حج رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں پر آج کل حج کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔

پیغام صلح جلد ۲۱ نمبر ۲۲

قادیانی مذہب کے اندر جذبات کی اس تبدیلی کا رجحان اس قدر شدید اور نمایاں ہے کہ وہ اس تقویم کے مقابلے میں جو حضور سرور دو عالم کی نسبت مسلمانوں کے اندر ۱۳۹۴ سال سے رائج ہے، نئی تقویم کو رواج دینے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تاکہ جس تعلق اور نسبت سے بھی ایک مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہ سکتا ہے اس تعلق اور نسبت کو یا تو ختم کر دیا جائے یا اسے اتنا کمزور بنا دیا جائے کہ اس میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہیں اور اس کے مقابلے میں مرزا صاحب کی شخصیت کی بنیاد پر نئی نسبتوں اور نئے تعلقات کو معرض وجود میں لایا جائے اور لوگوں کو تلقین کی جائے کہ وہ جدید مذہب کے نئے روحانی مراکز کی طرف اپنی ساری توجہات مبذول کریں۔ اب اگر قادیانیت کے سرکاری ترجمان "الفضل" یا اس نئے مذہب کے بعض دوسرے رسائل پر نگاہ ڈالیں تو وہاں تقویم کا ایک بالکل نیا نظام آپ کے سامنے آئے گا جو مرزا غلام احمد کی زندگی کے نشیب و فراز سے وابستہ ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کے اندر مروجہ تقویم کی جگہ مہینوں کے یہ نام تجویز کیے ہیں۔

صلح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، تبوک، اخاء، نبوت، فتح

مندرجہ بالا نظیر بجائے اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ قادیانیت اسلام کے دینی نظام کے مقابلے میں ایک نیا دینی نظام قائم کرنے کا عزم رکھتی ہے اس لیے وہ اپنے پیروؤں کو جدید نبوت، جدید مرکز محبت و عقیدت،

نئی دعوت، نئے روحانی مراکز، نئے مقامات مقدسہ، نئے مذہبی شعائر، نئے مقتدا، نئے اکابر، نئے عقائد، فکر و نگاہ کے نئے زاویے، افعال و اعمال کے نئے پیمانے، جذبات و احساسات کے نئے رُخ اور نئی اقدار حیات عطا کرتی ہے۔ اس کے سامنے معاشرے کی تعمیر نو کا ایک اپنا مخصوص نقشہ ہے جو اس نقشے سے بالکل مختلف ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی معاشرے کی تعمیر کے لیے پیش فرمایا تھا۔ قادیانی بھی اس بات کا پورا پورا شعور رکھتے ہیں کہ وہ امت مسلمہ سے بالکل ایک الگ اُمت ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کو اس امر کا نہایت واضح طور پر احساس تھا کہ وہ ایک مستقل مذہب کا بانی اور ایک مستقل اُمت کی تشکیل کرنے والا ہے جو دین اسلام اور امت اسلامیہ سے یکسر مختلف ہیں۔ مرزا بشیر الدین نے اپنے ایک خطبہ میں کہا:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جزء میں ہمارا ان سے اختلاف ہے۔

(خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب مندرجہ
اخبار الفضل مورخہ ۳ رجولائی ۱۹۳۱ء

حضرت خلیفہ اوّل نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہمارا اسلام اور ہے۔

(ایضاً مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء

اسلام اور قادیانیت میں کس قدر بُعد و بیگانگی بلکہ مخالفت و مخاصمت ہے اس کا اگر جائزہ لینا ہو تو افکار سے ہٹ کر جذبات کی دنیا میں اس کا کھوج لگائیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کے تصورات میں خواہ کتنا اختلاف ہو مگر جذبات کے دائرے میں ہر فرد دوسرے سے بڑا قریب ہوتا ہے بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے ہاتھوں کوئی ناقابلِ تلافی نقصان نہ پہنچا ہو۔ کوئی سنگ دل شخص ہی

دوسروں کی تباہی پر خوشی کے شادیانے بجاتا ہے۔ ایک حساس آدمی کا دل تو دشمن کی موت پر بھی تڑپ اُٹھتا ہے، کجا کہ وہ ان لوگوں کی بربادی پر غیر معمولی مسرت و شادمانی کا اظہار کرے جن سے وہ تعلق خاطر کا دعویدار ہو۔ چنانچہ دیکھیے کہ افراد، گروہوں اور قوموں کے مابین شدید اختلاف کے باوجود مصائب کے وقت ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں اور وہ اگر عملاً ایک دوسرے کی مدد کرنے سے قاصر ہوں تب بھی زبان کی حد تک اظہار ہمدردی ضرور کیا جاتا ہے۔ یہ شرف، صرف قادیانیوں کو حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو امت مسلمہ کے ساتھ زبردستی چپکائے رکھنے کے باوجود افتاد کے وقت وہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے بھی کم ہی کرتے ہیں۔ آج تک کسی سفاک سے سفاک شخص نے بھی اپنے دشمن کا جنازہ اُٹھتے وقت اپنے گھر میں چراغاں نہیں کیا، کیونکہ اس میں سنگدلی کے ساتھ ساتھ رذالت بھی پائی جاتی ہے مگر قادیانیوں نے ہر مرحلہ پر امت مسلمہ کے معاملے میں اسی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا جس کی کسی ایسے انسان سے توقع نہیں کی جاسکتی جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو۔ ۱۹۱۸ء میں سقوط بغداد کے المیہ پر مسلمان تو کیا غیر مسلموں نے بھی سخت صدمہ محسوس کیا۔ مسلمانوں کا تو کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو اور کوئی فرد ایسا نہ تھا جو غم سے نڈھال نہ ہوا ہو لیکن اس عظیم صدمے کے وقت صرف قادیانیوں کو غیر معمولی خوشی محسوس ہوئی اور انہوں نے اس کے اظہار کے لیے قادیان میں بڑے اہتمام کے ساتھ چراغاں کیا۔ الفضل نے، دسمبر ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں اس کی تفصیل دی ہے۔

"حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری تلوار ہے جس کے مقابلے میں علمائے دین کی کچھ نہیں چلتی۔ اب غور کا مقام ہے کہ پھر احمدیوں کو اس فتح سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق، عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔ فتح بغداد کے وقت ہماری فوجیں مشرق سے داخل ہوئیں۔ ہماری گورنمنٹ برطانیہ نے جو بصرہ کی طرف چڑھائی کی اس کے محرک خدا تعالیٰ کے فرشتے تھے جن کو اس گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اُتارا۔"

جب فلسطین مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا تو اس وقت پوری اُمت مسلمہ بحر غم میں ڈوب گئی مگر قادیانی خوشی کے شادیانے بجانے میں منہمک ہوئے۔ اسی طرح سمرنا کی تباہی اور ترکی کی عارضی

شکست پر مسلمانوں کے دلوں پر جو زبردست چوٹ لگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خلافت عثمانیہ کی بربادی ان کی ملی شیرازہ بندی کے لیے نہایت تباہ کن نتائج کی حامل تھی اس وجہ سے ہر مسلمان کی آنکھیں خون کے آنسو رلا رہی تھیں مگر قادیانی مسلمانوں کی اس تباہی پر بے حد مسرور تھے۔ اُن کے ان جذباتِ مسرت کو ۳ر دسمبر ۱۹۱۸ء کے الفضل میں دیکھا جا سکتا ہے:

۲۷ر ماہ نومبر کو انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ کے زیر اہتمام اور حسب ہدایات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ربوہ اللہ تعالیٰ گورنمنٹ برطانیہ کی شاندار اور عظیم الشان فتح کی خوشی میں ایک قابل یادگار جشن منایا گیا۔ نماز مغرب کے بعد دار العلوم اور اندرون حصہ میں روشنی اور چراغاں کیا گیا جو بہت خوبصورت اور دلکش تھا۔ احمدیہ بازار کے دونوں طرف اور منارۂ مسیح پر گیس کی روشنی کی گئی جس کا نظارہ بہت دلفریب تھا۔ مسیح موعود کے مکان پر بھی چراغ روشن کیے گئے۔ اس کے علاوہ تمام احمدیوں نے اپنے اپنے مکانات پر خوب روشنی کی۔

اس ضمن میں ترکوں کے بارے میں بھی ان لوگوں کے خیالات ملاحظہ ہوں:

"اگر ترکی حکومت مٹتی ہے تو مٹنے دو یاد رکھو کہ ترک اسلام نہیں"

(الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۱۵ء)

ترکوں کے مقابلے میں انگریز بہادر کی مدح و ثنا دیکھیے:

"واقعات بتا رہے ہیں کہ ترکان آل عثمان کا ستارہ غروب ہونے کے قریب ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ابا صوفیہ کی متبرک عبادت گاہ اور ابو ایوب انصاری کی قابلِ احترام سرزمین برطانیہ کے حریت پسند صداقت شعار فرزندوں کے ہاتھ آئے"۔

مندرجہ بالا اقتباسات پر ذرا غور فرمائیے اور پھر اندازہ لگائیے کہ کیا اُمت مسلمہ کا کوئی فرد یا گروہ اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف نفرت و حقارت کے یہ جذبات اپنے دل میں پال سکتا ہے اور اس سنگ دلی اور قساوت قلبی کا مظاہرہ کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے معاملہ میں قادیانی ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔ اُمت مسلمہ پر جب بھی افتاد پڑی تو قادیانیوں کے دلوں کو سرور اور راحت حاصل ہوئی اور وہ وفور جذبات میں آپے سے باہر ہو کر ایسی عجیب و غریب حرکات کرنے لگے جن کی کسی معقول آدمی سے تو توقع نہیں کی جا سکتی۔ انسانوں میں شدید اختلافات کے باوجود مصیبت کے وقت دل ایک دوسرے

کے ساتھ دھڑکنے لگتے ہیں کیونکہ ہر انسان کے اندر افکار و تصورات کی سطح سے نیچے ایک انسانیت بھی ہوتی ہے جو مصیبت کے وقت بیدار ہو کر دشمن کے لیے بھی رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر پریشان کر رکھا تھا وہ تاریخ کی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، پھر اسلام اور یہودیت میں جو اختلاف ہے وہ بھی کوئی سربستہ راز نہیں مگر اس کے باوجود حضور سرور دو عالم اُن کی مصیبت پر پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضور سرور دو عالم کے سامنے سے جنازہ لے کر گزر رہے تھے کہ حضورؐ کھڑے ہو گئے۔ اُن کی پیروی میں ان کے رفقاء بھی کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے ایک رفیق کار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

یہ تو یہودیہ کا جنازہ ہے تو اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

موت ہر صورت میں موجب رنج ہی ہے۔

قادیانیوں کا مسلمانوں کے بارے میں انتہائی سنگدلانہ طرز عمل دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس ملت کے بانی نے مکر و فریب کا یہ سارا دھندا شروع ہی اس لیے کیا تھا کہ کفار کی تائید و حمایت بلکہ اس کی سرپرستی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو تہس نہس کر دیا جائے اور اس وقت تک چین نہ لیا جائے جب تک کہ دنیا میں نبی آخر الزمان کا ایک غلام بھی موجود ہے۔